R. No. 2186/57

Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت

فی پرچہ پچیس نئے پیسے

جلد ۲۴ - شمارہ ۱۳ | ایڈیٹر: - آل احمد سرور | یکم اپریل ۱۹۶۵ء

اداریہ

یہ اُتّر پردیش ہے

بادشاہ بخیر! ایک زمانے میں اُتر پردیش ہندوستان کا دل و دماغ سمجھا جاتا تھا۔ اس سرزمین نے وہ لوگ پیدا کیے جنھوں نے جدید ہندوستان کو آزاد کرایا۔ جواہر لال نہرو اتر پردیش کے رہنے والے تھے۔ موتی لال نہرو، رفیع احمد قدوائی کی خدمات کو کون بھلا سکتا ہے۔ اس ریاست کی تہذیب پر پورا ملک فخر کرتا ہے۔ اس کی زبان، اس کی مصنوعات، اس کے فن کے نمونے، اس کی شاعری کے شاہکار، اس کی معاشرت، اس کی تاریخ، سب پر ہمیں ناز ہے۔ مگر آج کل نہ جانے اس کے رہنماؤں کو کیا ہو گیا ہے کہ اتر پردیش کو کچھ لوگ اُلٹا پردیش کہنے لگے ہیں۔ حال میں ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار شائع ہوئے ہیں۔ اگرچہ یہ اعداد و شمار سرکاری عملے کی کوتاہیوں کی وجہ سے حقیقت کی ترجمانی نہیں کرتے مگر ان کے حساب سے بھی اٹھتّر لاکھ آدمی اس ریاست میں اردو بولتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے کہ دستور میں ہر ریاست کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ لسانی اقلیتوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دی جائے، مگر لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی رپورٹ کے مطابق صرف ایک لاکھ گیارہ ہزار بچوں کو اردو کے ذریعہ سے تعلیم دی جاتی ہے۔ بہار میں اردو بولنے والوں کی آبادی اتر پردیش سے بہت کم ہے مگر وہاں ابتدائی درجے میں اردو کے ذریعے سے تعلیم پانے والوں کی تعداد اس سے دگنی ہوگی۔ چیف منسٹروں کی کانفرنس نے اور حکومت ہند نے ثانوی منزل پر اردو کے ذریعہ سے تعلیم دینے کی سفارش کی ہے۔ مگر اتر پردیش میں ایک بھی ثانوی اسکول ایسا نہیں جس میں اردو کے ذریعہ سے تعلیم دی جاتی ہو۔ بہار میں پھر بھی کچھ ایسے اسکول موجود ہیں۔ جن ثانوی اسکولوں میں اردو ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے ان کی تعداد بھی بہت کم ہے۔ سہ لسانی فارمولے پر عمل در آمد اس طرح ہو رہا ہے کہ جن بچوں کی مادری زبان اردو ہے وہ تیسری زبان کے طور پر عام طور پر اردو پڑھنے کے حق سے محروم ہیں۔ جب شور مچتا ہے تو حکومت اعلان کر دیتی ہے کہ اگر پانچ بچے بھی اردو پڑھنا چاہیں تو انتظام ہوگا، مگر اکثر و بیشتر انتظام نہیں ہوتا۔ خدا جانے کس حساب سے اردو کے مصنفوں کو انعام دیے جاتے ہیں۔ ہندی کے انعامات پر جو روپیہ صرف کیا جاتا ہے اس سے زیادہ صرف ہو تو ہم خوش ہوں گے مگر یہ اب تک نہیں معلوم ہوا کہ سمترانندن پنت کس حساب سے دس ہزار کے انعام کے اہل ہیں اور آنند نرائن مُلا صرف پندرہ سو کے۔ کیا دونوں کے ادبی رتبے کو اس طرح تولا گیا ہے کہ ایک کی زبان کے بولنے والوں کی تعداد مثلاً ستّر اسّی فی صدی ہے اور دوسرے کی زبان کی مثلاً بیس پچیس فی صدی۔ تازہ ترین ستم یہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی کونسل میں اردو میں تقریر کرنا چاہتے تھے مگر اسپیکر نے اس کی اجازت نہیں دی۔ اس سے پہلے پرشوتم داس ٹنڈن جی یہ اعلان کر چکے تھے کہ اسمبلی کی کارروائی ہندی اور اردو دونوں میں ہوگی اور ممبران کو کاغذات دونوں زبانوں میں ملیں گے۔ مگر موجودہ حکومت کی منطق نرالی ہے۔ اس کے نزدیک یہ اٹھتّر لاکھ جو اردو بولتے ہیں، کوئی وجود ہی نہیں رکھتے۔ اردو نام کی

اس شمارے میں

کوئی زبان ہی نہیں ہے نہ اس کا کوئی چلن ہے۔ دستور میں آٹھویں شیڈول میں اس کے نام کے کوئی معنی نہیں۔ ریاستی حکومت نے مرکزی حکومت کے ۱۹۵۸ء کے جس اعلان کو تسلیم کیا تھا اس کی وجہ سے اب اس کا فرض نہیں۔ غضب ہے کہ جنوبی ہند میں جہاں اردو بولنے والوں کی تعداد تھوڑی ہے اردو کے ساتھ ناانصافی ہو اور اتر پردیش اور دہلی میں جو اردو کا گھر ہے، اردو کو یکسر نظر انداز کیا جائے۔ یہ زیادتی کسی طرح گوارا نہیں کی جا سکتی۔ یہ قومی اور جمہوری روایات کے بالکل خلاف ہے۔ یہ ایک لسانی اقلیت کے حقوق کی پامالی ہے اس کے خلاف ہر محب وطن کو اور ہر جمہوریت پسند کو صف آرا ہونا چاہیے۔ اگر یہ لسانی سامراج نہیں تو پھر لسانی سامراج کسے کہتے ہیں!

سیر بین

چین کے متعلق ایک دلچسپ روایت سننے میں آئی۔ تین آدمی اپنے کام پر دفتر پہنچے۔ پہلا پانچ منٹ پہلے پہنچ گیا۔ اُسے اس شبہے میں گرفتار کر لیا گیا کہ یہ یقیناً کچھ سراغ لینے آیا ہے۔ دوسرا پانچ منٹ دیر میں پہنچا۔ اسے اس جرم میں گرفتار کر لیا گیا کہ وہ اپنی کوتاہی کی وجہ سے قومی وقت ضائع کر رہا ہے جو قومی آمدنی بڑھانے میں صرف ہوتا۔ تیسرا ٹھیک وقت پر پہنچا اسے اس جرم میں دھر لیا گیا کہ یہ بورژوا اخلاق کا پابند ہے۔

یادش بخیر پروفیسر اے۔ بی۔ اے۔ حلیم ایک زمانے میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پرو وائس چانسلر تھے۔ عام طور سے ہر تقریب میں یا جلسے میں دیر میں پہنچتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی معزز مہمان کے اعزاز میں یونیورسٹی میں ایٹ ہوم تھا۔ راقم الحروف مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ پہلے یونیورسٹی کے کسی کام سے موصوف سے ملنے گیا۔ کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں۔ گھڑی پر نظر پڑی تو میں گھبرا کر کھڑا ہوگیا کیونکہ اس حساب سے ایٹ ہوم کا وقت ہو گیا تھا۔ حلیم صاحب نے پوچھا خیر تو ہے کیا بات ہے۔ میں نے گھڑی کی طرف اشارہ کیا۔ موصوف مسکرائے اور فرمایا میں اپنی گھڑی آدھ گھنٹے تیز رکھتا ہوں۔ ابھی بہت وقت ہے۔ خیر میں کچھ دیر اور بیٹھا اور پھر رخصت ہو گیا۔ ایٹ ہوم میں، میں تو وقت پر پہنچ گیا۔ حلیم صاحب پھر بھی بیس پچیس منٹ کے بعد آئے۔

انھیں کا ایک اور قصہ یاد آیا۔ ڈیوٹی سوسائٹی کا جلسہ تھا سوسائٹی کے سپرنٹنڈنٹ جلسے میں پانچ منٹ دیر سے پہنچے۔ رشید صاحب نے جو اسسٹنٹ کیپر تھے اس پر بہت برہمی کا اظہار کیا وہ اپنی صفائی میں کہنے لگے کہ صرف پانچ منٹ دیر ہو گئی اتفاق سے حلیم صاحب اس دن ان صاحب سے پہلے آ گئے تھے۔ رشید صاحب نے کہا کہ جب حلیم صاحب تک آ گئے ہیں تو کسی اور کو ایک منٹ بھی دیر میں آنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

پنت جی بھی اس لحاظ سے بڑی شہرت رکھتے تھے۔ ان کا ریکارڈ یہ تھا کہ سرکاری تقریب ہو یا غیر سرکاری، کبھی وقت پر نہیں پہنچے۔ ایک دفعہ سمپورنانند کو قومی جھنڈا لہرانا تھا۔ وہ وقت کے بہت پابند ہیں۔ ٹھیک نو بجے موقع پر پہنچ گئے۔ وہاں دیکھا تو کوئی بھی نہ تھا۔ ان کے آنے کے بعد دوسرے وزیر اور سرکاری افسر آنے شروع ہوئے۔ سمپورنانند جی نے کہا پنت جی نے تم سب کی عادتیں بگاڑ دی ہیں۔ ایک اور موقع پر راج بھون میں کسی غیر ملکی مہمان کے لیے لنچ تھا۔ ہومی مودی گورنر تھے۔ انھوں نے آدھ گھنٹے تک منتری کا انتظار کیا جب پنت جی نہ آئے تو کھانا شروع کرا دیا مگر خود نہ کھایا۔ کوئی پون گھنٹے کے بعد پنت جی پہنچے تو مودی نے کہا کہ پنت جی خیر میری تو کوئی بات نہیں مگر مہمان کو انتظار نہ کرانا چاہیے تھا۔

ڈاکٹر قمر رئیس کو سوویٹ حکومت کی دعوت

دہلی، ۲۴ مارچ۔ سوویٹ حکومت کی دعوت پر ڈاکٹر قمر رئیس اردو پروفیسر کی حیثیت سے تاشقند جا رہے ہیں۔ اردو پروفیسر کی یہ جگہ ہند سوویٹ ثقافتی معاہدہ کے تحت وجود میں آئی۔ تاشقند یونیورسٹی میں کم و بیش سو طلبا اردو کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور مختلف موضوعات پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر قمر رئیس درس و تدریس کے علاوہ درسی کتابوں کی ترتیب کا کام بھی انجام دیں گے۔

بنارس ہندو یونیورسٹی سے اردو کے پہلے پی ایچ ڈی

بنارس یونیورسٹی نے اردو کے جواں سال ادیب حکم چند نیّر کو ان کے تحقیقی مقالے "درگا سہائے سرور جہاں آبادی، حیات اور شاعری" پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری دینے کا اعلان کیا ہے۔ یونیورسٹی کی پچاس سالہ تاریخ میں پہلی بار اردو کے مقالے کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری دی گئی۔ ڈاکٹر نیّر سرور جہاں آبادی کا کلام تاریخی ترتیب سے مرتب کر چکے ہیں جو عنقریب طباعت و اشاعت کی منزلیں طے کر کے منظر عام پر آ جائے گا۔ آج کل وہ غیر ملکی طلبا کے لیے ریڈر اور ہندوستان میں روزانہ زندگی سے متعلق مکالمات لکھ رہے ہیں۔

(رام ناتھ ورما رپورٹر آل انڈیا ریڈیو دلی، بنارس)

محمد یسین

ٹی. ایس. ایلیٹ

جنوری ۱۹۶۵ء میں پندرہ بیس دنوں کے اندر انگلستان کی دو اہم اور بین الاقوامی شخصیتیں اٹھ گئیں۔ ٹی. ایس. ایلیٹ اور ونسٹن چرچل کا شمار دور حاضر کے ان مشاہیر میں کیا جا سکتا ہے جن کے نقوش وقت تک تاریخ کے صفحوں پر باقی رہیں گے۔ ایلیٹ بیسویں صدی کے نصف اول میں اپنی شاعری اور تنقیدی تحریروں کی بدولت انگریزی ہی نہیں بلکہ تمام مہذب زبانوں میں ترجموں کے ذریعہ روشناس ہے اور چرچل بھی جو اس صدی کے سب سے بڑے سیاست دانوں اور مدبروں میں شمار کیا جاتا ہے کئی اعتبار سے عالمی شہرت کا مالک رہا ہے دونوں کی وفات پر ادبی اور سیاسی حلقوں میں رنج و غم کے اظہار سے زیادہ ان کے اختلافات کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔ چرچل اور ایلیٹ دونوں میں مشترک عنصر ان کی قدامت پسندی ہے۔ چرچل نے ابتدا سے ہی انگریزی سامراج اور خالص برطانوی نقطۂ نگاہ کی نمائندگی کی۔ ایلیٹ نے بھی اپنی ابتدائی رومانیت کے باوجود کلاسیکی روایت پسندی کو ہی اپنا شعار بنایا۔ وہ اپنے کو مذہب میں اینگلو کیتھولک، سیاست میں شہنشاہی کا حامی اور ادب میں کلاسیکیت کا مؤید کہتا رہا۔

ٹی. ایس. ایلیٹ کئی اعتبار سے جدید مغربی تہذیب و معاشرت کا سب سے بڑا ترجمان رہا ہے۔ چونتیس سال کی عمر میں "خرابہ" (THE WASTELAND) لکھ کر اس نے بین الاقوامی شہرت حاصل کر لی۔ نقادوں میں آج تک اس مسئلہ پر بحث ہے کہ ایلیٹ کا شاہکار "خرابہ" ہے یا "FOUR QUARTETS"۔ یہ مسئلہ اس کی مذہبیت کا بھی نہیں اس لیے کہ بیزاری اور تنفر کے شاہکار "خرابہ" میں بھی مذہبیت کی زیریں لہر محسوس کی جا سکتی ہے۔ اس کی شاعری کا "مسیحی دور" ایک طرح سے اسی مذہبیت کی وضاحت ہے۔ اس کے یہاں ایک سوچا سمجھا فلسفہ ابتدا سے ہی موجود ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی بابت شاعری ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد ہی "عرفان ربانی" کی حد تک پہنچی ہے۔ یہاں اگر ہم ایلیٹ کا مقابلہ انیسویں صدی کے مشہور شاعر ورڈسورتھ سے کریں تو ایلیٹ کی "ایمانداری" کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ورڈسورتھ نے سب سے پہلے فرانسیسی انقلاب سے اثرات قبول کیے اور اسے اپنی شاعری کا مرکزی خیال بنایا۔ لیکن بہت جلد وہ شدید قسم کا رجعت پرست ہو گیا اور جھیلوں کے ضلع میں فراریت کے راگ گانے لگا۔ اس کے برخلاف ایلیٹ شروع سے آخر تک قدامت پسند رہا۔ اس کی شاعری میں رومانی جدت پسندی کے خلاف جذبہ موجود رہا ہے۔

موجودہ صدی کی ابتدائی دہائیوں میں ایلیٹ "انقلاب پسندوں" کے ہمراہ رہا "رمز نگاروں" (SYMBOLISTS) اور پیکر نگاروں (IMAGISTS) کی تحریک میں وہ برابر کا شریک ہی نہ تھا بلکہ پیش پیش بھی رہا۔ ایذرا پاؤنڈ کے ساتھ مل کر اس نے جو نظمیں شائع کیں ان کی اہمیت انگریزی شاعری میں وہی ہے جو ورڈسورتھ اور کولرج کی غنائی نظموں (LYRICAL BALLADS) کی ہے مگر اس انقلاب کے پیچھے ایک رجعتی میلان نمایاں ہے جو ادب اور شعر میں نئی قدروں سے زیادہ ماضی کی روایات کو محفوظ رکھنے کی کوشش ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ایلیٹ اپنے معاصرین کی رومانیت سے تنگ آکر ڈرائیڈن اور پوپ کی مصنوعی کلاسیکیت کا علمبردار رہا تھا۔ وہ پوپ کے مقابلہ میں براؤننگ سے زیادہ ذہنی قرب محسوس کرتا رہا۔ سترھویں صدی کی انگریزی شاعری میں اسے وہ کلاسیکی توازن اور فلسفیانہ اعتدال ملا جو فکر و فن کے امتزاج سے بنی گئی ہے۔

شعر و ادب میں ایلیٹ اپنے پیشرو میتھو آرنلڈ اور اپنے ہم عصر ٹی. ای. ہیوم کی روایتوں کو لے کر آگے بڑھا۔ انھیں کے اثر سے اس نے رومانی نظریۂ ادب پر کلاسیکی روایت کو ترجیح دی۔ "شاعری جذبات کا اظہار نہیں بلکہ جذبات سے فرار کا نام ہے"۔ یہ سبق اس نے پیکر نگاروں کے مدرسہ میں سیکھا جس کے منشور میں رومانی شاعری کی جذباتیت اور غیر واضح مسائل و مباحث سے شدید ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا تھا۔

ایلیٹ کا پہلا مجموعۂ کلام "پروفراک کا نغمۂ محبت" (PRUFROCK) ۱۹۱۷ء میں منظر عام پر آیا۔ یہ مجموعہ شاعر کی روایت پسندی کے باوجود معنوی اور صوری اعتبار سے ایک اجتہادی اقدام ہے۔ ان نظموں میں اس نے جدید دور کی خود آسودگی کے خلاف جدید زندگی کی تلخیوں اور اس کے دردناک پہلوؤں کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے اس کے یہاں زندگی کے موجودہ نظام سے بیزاری اور ماضی کے بہتر نظام کی حسرت کا رومانی اضطراب خاص اہمیت رکھتا ہے۔ "خرابہ" (۱۹۲۲ء) میں ایلیٹ نے جنگ عظیم کی تباہ کاریوں اور مغربی سماج و معاشرت پر اس کے اثرات کا نفسیاتی تجزیہ کیا ہے۔ یہ نظم مغربی انسان کے زوال کا مرثیہ بھی ہے اور مستقبل کا خیر مقدم بھی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد یورپ اخلاقی اور ذہنی طور پر بنجر ہو چکا تھا۔ اس ریگزار کی سیرابی کے لیے ابر رحمت کی ضرورت تھی جو ایلیٹ کے نزدیک مادہ پرستی سے نہیں بلکہ روحانی ریاضتوں سے ممکن ہے۔ نظم کا آخری حصہ جدید شاعری کے بہترین شہ پاروں میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

"ویرانے میں ہم شبیہ سراب ہیں جہاں دو ساتھ چلتے ہیں تو تیسرا سایہ بھی ہم قدم ہوتا ہے۔ غم و حسرت کے پردرد نالے ہیں اور پھر خطرناک منزل۔ مسافر منزل مقصود تک افتاں و خیزاں پہونچتا ہے تو مرغ کی بانگ سنائی دیتی ہے۔ ابر رحمت جوش میں آتا ہے اور سوکھی زمین سیراب ہو جاتی ہے۔ بادل سے نغمہ سنائی دیتا ہے

"دا، دیا، دھوم، دمیتا"

خود سپردگی، ہمدردی اور نفس کشی ہی حقیقی نجات کے وسائل ہیں

"ایش وینزڈے" (ASH WEDNESDAY) میں شاعر ذاتی نجات و نروکش اکے لیے کوشاں نظر آتا ہے۔ "خرابہ" میں وہ جس تذبذب اور بیزاری سے دوچار تھا اس کا ازالہ اس مذہبی نظم میں ہوتا ہے۔ یہاں شاعر دانتے کی "طربیہ ربانی" سے اثرات قبول کرکے خدا، مذہب اور نجات کے مسئلوں پر اثباتی نظریہ پیش کرتا ہے۔

"خرابہ" اور اس قبیل کی دوسری نظموں کے بعد ایلیٹ کی مذہبیت اس کے منظوم ڈراموں میں زیادہ نمایاں ہونے لگی چنانچہ اس کا ڈرامہ "MURDER IN THE CATHEDRAL" اس کی اسی جذباتیت اور روحانی قدامت پسندی کا نقطہ عروج ہے۔ "THE FAMILY REUNION" سے لے کر "THE ELDER STATESMAN" تک ایلیٹ کے منظوم ڈراموں میں وہی مذہبی پیغام ہے جس کے ارتعاشات ابتدائی نظموں میں بھی ملتے ہیں۔ کچھ لوگوں کے نزدیک یہ ڈرامے ایلیٹ کے "دورِ زوال" کی پیداوار ہیں یہ کہنا تو شاید صحیح نہ ہو کہ یہ ڈرامے محض درسگاہی مشقوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہاں ان کی اپیل البتہ منفرد اور محدود حلقہ کے لیے ہے۔ ایلیٹ کی مذہبی شاعری ملٹن کے فردوس بازیافتہ (PARADISE REGAINED) کی طرح محض تاریخی حیثیت رکھتی ہے شہرت عام و بقائے دوام کے دربار میں اسے "خرابہ" اور اسی سلسلہ کی دوسری نظموں کی بدولت ہی جگہ مل سکتی ہے۔

ایلیٹ کے تنقیدی کارناموں میں چند ابتدائی مضامین عہد الزبتھ کے ڈرامہ نگاروں مثلاً بن جانسن اور مڈلٹن وغیرہ پر مشتمل ہیں لیکن بیشتر مضامین میں شعر و شاعری سے بحث ہے۔ ایلیٹ نے شاعری کی جو تعریف کی ہے وہ متقدمین اور متوسطین سے بہت حد تک منفرد ہے حالانکہ آرنلڈ کے یہاں اس کے ابتدائی نقوش موجود ہیں۔ "روایت اور انفرادی ملکہ" (TRADITION AND THE INDIVIDUAL TALENT) میں اس نے لکھا ہے کہ شاعری جذبات کا اظہار نہیں بلکہ جذبات سے فرار ہے۔ یہ شخصیت کا بھی اظہار نہیں بلکہ شخصیت سے فرار ہے۔ ایلیٹ کے نزدیک شاعر کا کام نئے جذبات کی تلاش نہیں بلکہ عام جذبات و احساسات کو شاعری کے قالب میں ڈھالنا ہے۔ شاعر کی شخصیت محض ایک وسیلہ ہے جس کے ذریعہ تاثرات اور تجربات غیر معمولی طور پر ایک نئی شکل پاتے ہیں۔ شاعر یا ادیب جس قدر اپنی شخصیت کو پس پردہ رکھے گا اسی قدر اس کا آرٹ بلند ہوگا۔ فن شاعری میں "معروضیت" (OBJECTIVITY) کے اس اصول کو ایلیٹ نے شاعری کی تین آوازوں کے نظریہ سے زیادہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ پہلی آواز وہ ہے جس میں شاعر خود کلامی یا تنہا کلامی کرتا ہے دوسری آواز وہ ہے جب وہ ایک بڑے یا چھوٹے حلقہ سے خطاب کرتا ہے تیسری آواز وہ ہے جب شاعر کسی فرضی کردار کے توسط کے ذریعہ اپنی بات کہتا ہے۔ پہلی دو صورتوں میں شاعری غنائیت یا پیغمبرانہ شان کی حامل ہوتی ہے لیکن تیسری صورت میں وہ ڈرامہ سے زیادہ نزدیک ہو جاتی ہے۔ ڈرامائی شاعری میں شاعر کی شخصیت بے نقاب نہیں ہوتی بلکہ اس کی قوت ایجاد کی رنگا رنگی میں رچ بس جاتی ہے۔

انیسویں صدی کے رومانی اور وکٹورین شعراء اپنے اندر وہ ڈرامائی فن اور معروضیت نہیں پیدا کرسکے جو اعلیٰ شاعروں کی ممتاز خصوصیت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایلیٹ کلاسیکی شاعروں مثلاً ہومر، ورجل، دانتے اور شیکسپیئر کا کلمہ پڑھتا ہے۔ دانتے کی شاعری سے ایلیٹ کو پہلا سبق یہ ملتا ہے کہ شاعر کو زبان کا غلام ہونا چاہیے نہ کہ زبان کو شاعر کا حلقہ بگوش۔ دانتے اور شیکسپیئر کی اہمیت اس لیے ہے کہ وہ زبان کی روح کو جسم عطا کرتا ہے اور اس کی وسعتوں کا پتہ لگاتے ہیں۔ ملٹن اس کے نزدیک اسی لیے ملعون ہے کہ اس نے اپنی "فردوس گمشدہ" (PARADISE LOST) میں مصنوعی زبان استعمال کی ہے۔ دوسرا سبق جذبات کے سلسلہ کی وسعت کا ہے۔ ایک اعلیٰ شاعر نہ صرف عام لوگوں سے زیادہ بصیرت اور قوت مشاہدہ رکھتا ہے بلکہ عوام کی حد نظر سے بلند ہو کر انسانی زندگی کی تمام نزاکتوں اور حرکتوں کا مطالعہ کرتا ہے اور اسے اپنی شاعری کے ذریعہ نفع عام کے لیے پیش کرتا ہے۔ دانتے کی طربیہ ربانی (DIVINE COMEDY) کی طرح شیکسپیئر کے ڈرامے بھی انسانی کائنات کی بلیغ ترجمانی کرتے ہیں۔ شیکسپیئر سے پہلے کسی نے انسانی زندگی کے طربناک اور المناک پہلوؤں کی اس خوش اسلوبی کے ساتھ مصوری نہیں کی۔ نوع بشر کے مقدر اور کائناتی قوتوں سے تصادم پر اس کی ژرف نگاہی قابل رشک ہے۔ ایلیٹ کے نزدیک شیکسپیئر کی شاعری "انسانیت کی تاریخ" ہے۔

شیکسپیئر پر بحث کرتے ہوئے ایلیٹ نے ایک بنیادی تنقیدی نکتہ پیش کیا ہے، اور وہ ہے کسی شاعر یا ادیب کے کارناموں کا مجموعی جائزہ۔ شیکسپیئر کی ساری تصانیف ایک ہی شخص کے ذہن کی پیداوار ہیں لہٰذا ہم ایک کو دوسرے سے الگ کرکے نہیں سمجھ سکتے۔ کسی ایک تصنیف کو اچھی طرح سمجھنے کیلیے ضروری ہے کہ ہم اس کے کلیات کا مطالعہ کریں۔ شیکسپیئر کے ڈرامے یک گونہ "جزو زندگی" اور "کل زندگی" ہیں۔

ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کے شعری اور تنقیدی کارنامے اردو میں اب محتاج تعارف نہیں۔ اس کی چند نظموں اور کچھ مشہور تنقیدی مضمونوں کے ترجمے بھی ہوچکے ہیں لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ انجمن ترقی اردو یا ساہتیہ اکاڈمی اس کی اہم تصانیف کے ایک نمایندہ انتخاب کا اردو میں معیاری ترجمہ کرائے تاکہ ہمارے ادب کی بین الاقوامی سرحدیں وسیع تر ہوسکیں۔

غزلیں

اطہر نفیس

دم بدم بڑھ رہی ہے یہ کیسی صدا شہر والو سنو
جیسے آئے دبے پاؤں سیل بلا شہر والو سنو
خاک اڑاتی نہ تھی اس طرح تو ہوا اس کو کیا ہو گیا
دیکھو آواز دیتا ہے اک سانحہ شہر والو سنو
یہ جو راتوں میں پھرتا ہے تنہا بہت ہے اکیلا بہت
ہو سکے تو کبھی اس کا بھی ماجرا شہر والو سنو
پر جہیں ہیں سے ہے اس کے رنج و الم اس سے پوچھو کبھی
ہاں سنو اس کی روداد مہر و وفا شہر والو سنو
اس کے جی میں ہے کیا اس سے پوچھو ذرا دیکھیں کہتا ہے کیا
کس نے اس شخص پر کوہ غم ڈھا دیا شہر والو سنو
عمر بھر کا سفر جس کا حاصل ہے اک لمحۂ مختصر
کس نے کیا کھو دیا کس نے کیا پا لیا شہر والو سنو
اس کی بے خواب آنکھوں میں جھانکو کبھی اس کو سمجھو کبھی
اس کو بیدار رکھتا ہے کیا واقعہ شہر والو سنو

ذکاالدین شایاں

کچھ نہ شاید تھا لب عشق کا افسانہ بھی
آج چھلکا ہے تری آنکھ کا پیمانہ بھی
عشق پامال و پریشان و ستم کش ہی نہیں
عشق کی شوخی فطرت تھی حریفانہ بھی
ہجر کی رات ہے یہ ذکر غم دل کب تک
غم زدو! اس کے تبسم کا اک افسانہ بھی
ہم رہ دوست سے خاموش گذر تو جائیں
ہاں، مگر ساتھ میں ہے یہ دل دیوانہ بھی
ہم وہ سرشار تمنا ہیں کہ تیری خاطر
سر گراں بھی رہے تجھ سے اور بیگانہ بھی

محمد نیاز

اک مسلسل تیرگی لیتی نہیں جانے کا نام
روشنی ہی روشنی تھا سیرے کا شانے کا نام
اوّل اوّل شعلۂ جاں سوز و جان بے قرار
آخر آخر شمع گریاں اور پروانے کا نام
ہاں حقیقت کو حقیقت کا لقب دیتا ہوں میں
ہاں مری محفل میں افسانہ ہے افسانے کا نام
میری مستی چاہے جس عالم میں پہنچا دے مجھے
یاد ہے ساقی کا چہرہ اور پیمانے کا نام

اردو کو مٹانے کے سو بہانے

وزیر اعلیٰ اتر پردیش نے اسمبلی میں کہا تھا کہ اگر کسی کلاس میں پانچ بچے بھی اردو پڑھنے والے ہوں گے تو ان کے لیے ٹیچر مقرر کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوگی، لیکن وزیر اعلیٰ کو شاید معلوم نہ ہو کہ نارمل اسکولوں میں ہندی اور انگریزی کے استادوں کی تربیت کا انتظام ہے، اردو کے استادوں کی تربیت کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اور جب اردو کے استاد نہیں ملیں گے تو اسکولوں میں اردو کی پڑھائی کا انتظام کیوں کر ہوگا۔ پرائمری درجوں میں پڑھانے کے لیے استادوں کی ٹریننگ نارمل سکولوں میں ہوتی ہے اس وقت یو۔ پی کے ہر ضلع میں لڑکوں کے دو دو نارمل اسکول ہیں اس طرح پوری ریاست میں نارمل اسکولوں کی تعداد سو سے کم نہیں ہے کیا حکومت ایسا نہیں کر سکتی کہ ہر نارمل اسکول میں ایک ٹیچر ایسا مقرر کرے جو اردو کے طریق تعلیم کی ٹریننگ دے سکے موجودہ ٹیچروں میں جو اردو سے واقف ہیں ان کو اردو کے طریقۂ تعلیم کے لیے ریفریشر کورس کی ٹریننگ دی جائے۔ ۱۹۹۳ء کے تعلیمی سیشن سے محکمہ تعلیم نے انگریزی کی تعلیم چھٹے درجہ کے بجائے تیسرے درجے سے شروع کرنے کے احکام جاری کیے ہیں۔ اس وقت سے نارمل اسکولوں کے استادوں میں سے بعض استادوں کو حکومت نے پوری تنخواہ پر چھٹی دے کر انگریزی کے جدید طریقۂ تعلیم جاننے کے لیے ریفریشر کورس کی ٹریننگ کے لیے بھیجا لیکن ان نارمل اسکولوں میں ایک اسکول بھی ایسا نہیں جس میں اردو کا طریقہ تعلیم سکھانے کے لیے کوئی استاد موجود ہو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پرائمری اسکولوں میں اردو پڑھانے والے تربیت یافتہ استاد نہیں ملتے جس کی وجہ سے اردو کے پرائمری اسکولوں کو محکمہ سے تسلیم کرانے اور میونسپل بورڈ اور ضلع پریشد سے گرانٹ لینے میں کوئی سہولت نہیں ملتی۔ اگر اردو کے استادوں کی تربیت کا انتظام نہیں کیا گیا تو تعلیمی افسران یہ صفائی دینے میں حق بجانب ہوں گے کہ ہم تو اسکولوں میں اردو پڑھانا چاہتے ہیں لیکن اردو جاننے والے استاد ہی نہیں ملتے اور جو ملتے ہیں وہ ٹرینڈ نہیں ہیں۔

لیکن ان شکایات کا ازالہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اردو زبان کو قانونی تحفظ نہ مل جائے اور صدر جمہوریہ ہند اردو کو دہلی، یو۔ پی، بہار، مدھیہ پردیش، پنجاب اور راجستھان کی علاقائی زبان قرار نہ دے دیں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو اردو کو مٹانے کے سو بہانے تراش لیے جائیں گے اور سب سے بڑا بہانہ یہ کہ اردو کے ٹیچر ہی نہیں ملتے تو اردو کی پڑھائی کہاں سے شروع ہو مگر قانونی تحفظ ملتے ہی خود حکومت کو اردو کے استاد پیدا کرنے ہوں گے اور اسکولوں میں اردو کی پڑھائی کا خود انتظام ہو جائے گا۔

(الجمعیۃ دہلی)

ڈاکٹر جعفر حسن

ادبی اور بھاشائی خبریں

انجیل کے ترجمے

جرمن نیوز ویکلی کے بموجب مغربی جرمنی کے شٹٹ گارٹ نامی شہر میں "ادارۂ انجیل" (BIBELANSTALT) کی سرپرستی یا اشتراک سے فی الوقت ایک سو تیس ملکوں میں تقریباً تین ہزار مترجم انجیل کا ترجمہ کر رہے ہیں یہ ترجمے یا تو پہلی مرتبہ دنیا کی کم مروجہ زبانوں بلکہ بولیوں میں کیے جا رہے ہیں یا از سرِ نو ترجمے کروائے جا رہے ہیں۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ بعض زبانوں میں دو دو ترجمے کروائے جا رہے ہیں، چنانچہ ٹکسالی انگریزی، معیاری فرانسیسی اور ادبی ہسپانوی کے علاوہ آسان انگریزی، سادہ فرانسیسی اور سلیس ہسپانوی میں ترجمے کروائے جا رہے ہیں۔ چند برس پیشتر انجیل کا ترجمہ بیسک انگلش یعنی بنیادی انگریزی میں بھی کیا گیا تھا۔

چرچل کی تصنیفی آمدنی

ہٹلر اور ہٹلریت کے فاتح، دوسری سنساری جنگ کے عظیم رہنما اور سامراج کے علم بردار سر ونسٹن چرچل مصور، راج، سپاہی اخبار نویس، جاسوس، سیاست کار، سلطنت ساز اور مدبر ہونے کے سوا اچھے سوانح نگار، اعلیٰ درجے کے تاریخ نویس بہترین مقرر اور بے مثل سحر بیاں تھے ان کی تقریریں، تاریخیں اور سوانح عمریاں اچھے ادب کا اعلا نمونہ ہیں۔ اسی وجہ سے انھیں نوبل انعام بھی عطا کیا گیا تھا۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ سر ونسٹن کو بطور حق تصنیف ایک ملین پاؤنڈ یعنے ایک کروڑ تینتیس لاکھ (۱۳۳۰۰۰۰۰) روپے ملے تھے۔

فلم کمپنی کا ادبی خزانہ

ہندوستانی سیول سروس کے ممتاز رکن کے۔ پی۔ ایس مینن نے اپنے حالیہ سنساری سفرنامے میں لکھا ہے کہ میٹرو گولڈون مائر نامی مشہور امریکی فلم ساز کمپنی کے نجی کتب خانے میں چار ملین یعنے چالیس لاکھ کتابیں ہیں۔ اس لحاظ سے یہ دنیا جہان کے بڑے بڑے کتب خانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

ساہتیہ اکیڈمی کی کارکردگی

ہندوستان کی ممتاز ترین ادبی تنظیم کا نام ساہتیہ اکیڈمی ہے جو سرکار کی سرپرستی اور امداد سے قائم ہے اور یونیورسٹیوں کی طرح خود مختار ہے۔ یہ اکیڈمی آسامی، بنگالی، انگریزی، گجراتی، ہندی، کنڑ، کشمیری، ملیالم، مرہٹی، اڑیا، پنجابی، سنسکرت، سندھی، تامل، تلگو، اور اردو (زبانوں کے نام انگریزی حرفوں کے مطابق لکھے گئے ہیں، اسی لیے آسامی سب سے پہلے اور اردو جس کا املا انگریزی میں "U" سے شروع ہوتا ہے سب سے آخر میں ہے) میں لکھوائی ترجمہ کروائی اور چھپوائی ہے۔ بھارت کی قومی زبانیں ۱۴ ہیں مگر اکیڈمی ان کے سوا انگریزی اور سندھی کی بھی سرپرستی کرتی ہے۔

اکیڈمی کا یہ پسندیدہ اصول ہے کہ یورپی زبانوں کے ساتھ ساتھ ہندوستانی زبانوں کے شہ پاروں سے ترجمہ کروائے جائیں۔

اردو میں اب تک اس اکیڈمی سے ۲۰ کتابیں شایع کی ہیں کچھ پریس میں ہیں۔ تقریباً تمام ترجمے ہیں۔ جو مرہٹی، ہندی، اڑیا، ملیالم، فرانسیسی، چینی، جرمن، نارویجی، انگریزی، بنگالی سے کیے گئے ہیں

ساہتیہ اکیڈمی کے ادبی انعام

ذکر شدہ ۱۶ زبانوں میں ہندوستانیوں کی لکھی ہوئی کتابوں میں سے ہر زبان کی بہترین کتاب پر (بشرطیکہ یہ اعلا معیار کی ہو) ساہتیہ اکیڈمی ہر سال پانچ پانچ ہزار روپے کا انعام دیتی ہے ۱۹۵۵ء سے انعاموں کی تقسیم شروع ہوئی ہے مگر کسی سال تیرہ سے زیادہ انعام نہیں دے جا سکے ۱۹۵۷ء میں تو صرف پانچ انعام تقسیم کئے گئے گویا ۱۱ زبانوں کی بہترین کتاب اس معیار کی نہیں تھی جسے اکیڈمی اعلا سمجھتی ہے مگر مانئے نہ مانئے اردو کو ہر سال انعام دیا گیا۔ انعام پانے والی کتابوں میں ظفر حسین خاں کی "مآل دشتیت" مسعود حسن صاحب رضوی کی "اردو ڈرامہ اور اسٹیج" اور امتیاز علی عرشی کا مرتبہ "دیوان غالب" بھی شامل ہے ۱۹۶۳ء کا انعام غلام السیدین صاحب کی "آندھی میں چراغ" نامی کتاب کو دیا گیا اور جدید ترین انعام پنڈت آنند نرائن ملا کو اس شعری مجموعے کو عطا کیا گیا جس کا یہ عجیب نام ہے "میری حدیث عمر گریزاں"

ہر زبان کے لیے دس دس افراد کی مشاورتی کمیٹی ہے مگر یہ طریقہ ٹھیک نہیں کہ مشاورتی کمیٹی کے افراد کو بھی ان کی علمی، ادبی یا تحقیقی تخلیقات پر انعام دیا جائے۔ اس طریق کار کی وجہ سے دوست پسندی، عزیز نوازی، مروت اور حساب دوستاں در دل کا عمل دخل شروع ہو جاتا بلکہ ہو چکا ہے چنانچہ اردو کی طرح اور بھی کئی رکنوں کو خود ان ہی کی یا ان کے دوستوں یا عزیزوں کی لکھی ہوئی کتابوں پر انعام دئے جا چکے ہیں۔ انعام کا بس یہ معیار ہونا چاہیے، علمی اور یا ادبی قدر و قیمت بعض انعام یافتہ کتابوں کے بارے میں یہ معقول شک و شبہ کیا جا سکتا ہے کہ کتاب کی نگی قیمت تو بہت کم ہے۔ البتہ لکھنے والے کے تعلقات و اثرات بہت ہیں، تعداد میں زیادہ، تاثیر میں شدید۔ اور بھی گوناگوں مصلحتیں کارفرما ہیں، اکیڈمی کی طرح امریکہ میں پولٹسر انعام بھی ہر سال کسی نہ کسی امریکی ادیب یا شاعر کو عطا کیا جاتا ہے۔ اس انعام کا جو زریں اصول بنایا گیا ہے، کیا اس سے اکیڈمی والے واقف بھی ہیں؟

قومی کتاب ٹرسٹ

ہندوستان کا ایک اور سرکاری ادارہ ہے جو ہندوستان کی کی تسلیم شدہ ۱۴ قومی زبانوں کے علاوہ انگریزی میں بھی کتابیں شایع کرتا ہے۔ اس کا نام نیشنل بک ٹرسٹ (قومی کتاب ٹرسٹ) ہے اس نے

اب تک اردو کی ساٹھ کتابیں شایع کی ہیں سب ترجمے ہیں صدر ریپبلک کی کتاب "کاگئی" اسی نام سے اور نائب صدر ریپبلک کی کتاب "EDUCATIONAL RECONSTRUCTION IN INDIA" "ہندستان میں تعلیم کی از سرِ نو تنظیم" کے نام سے شایع ہوئی ہے RECONSTRUCTION کے لیے "از سرِ نو تنظیم" کی بجائے صرف "نو تنظیم" (نو وارد، نو خیز، نوجوان، نو بہار اور نو آموز وغیرہ کے قیاس پر) بہتر ہوتا۔ چار لفظوں کی بجائے صرف ایک مرکب لفظ وہ بھی اضافت کے بغیر۔

اردو میں سرکاری رسالے

ہندستان کی ۱۶ ریاستوں میں سے سرکاری اور نیم سرکاری حیثیت سے کئی رسالے اور غالباً درجنوں ایک اخبار یا اطلاع نامے بھی شایع ہوتے ہیں۔ "آندھرا پردیش" نامی رسالہ ہر مہینے چار زبان میں شایع ہوتا ہے انگریزی، تلیگو، ہندی اور اردو۔ ہندی اور اردو رسالوں کے ایڈیٹر کنول پرشاد کنول ہیں جو ہندی اور اردو دونوں میں اور بعض مرتبہ دونوں کی ملی جلی زبان ہندستانی میں غزلیں اور نظمیں لکھتے ہیں۔ اتر پردیش اور پنجاب کی طرف سے ترتیب وار "نیا دور" اور "پاسبان" نامی ماہنامے شایع ہوتے ہیں ریاست کشمیر "شیرازہ" نامی دو ماہی رسالہ شایع کرتی ہے۔ مرکزی حکومت "آج کل" نامی رسالہ شایع کرتی ہے۔ غالباً راجستھان، بہار اور مدھیہ پردیش بھی اردو میں رسالے اور یا اطلاع نامے شایع کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں راقم کو معلومات فراہم کرنے والوں۔ اور چھپے تو مقامی رسالے بھیجنے والوں کا پیشگی شکریہ۔ (پتہ: [illegible] حیدرآباد ۳۴)

اردو کتب خانوں کی درگت

سارے ہندستان میں اردو کا ایسا ایک کتب خانہ بھی نہیں جہاں اردو کی سب مطبوعہ کتابیں تو درکنار اپنے ہی علاقے یا ریاست کی مطبوعہ کتابیں موجود ہوں اچھے اچھے مشہور اور ممتاز علمی اور ادبی رسالوں کی مکمل فائلیں کہیں نہیں ملتیں۔ کتب خانۂ آصفیہ میں ایسی کئی اردو کتابیں نہیں جو چالیس پچاس سال پہلے حیدرآباد ہی میں چھپی تھیں۔ کیا علی گڑھ کے انجمنی کتب خانہ یا آزاد لائبریری میں وہ سب کتابیں موجود ہیں جو ہندستانی اکیڈمی، دارالمصنفین اور انجمن ترقی اردو نے شایع کی تھیں؟ کیا اتر پردیش کے بلند معیاری ماہانہ اور ثماہی رسالوں کی مکمل فائلیں موجود ہیں؟ مثلاً "معارف" اور "ہندستانی" کی مکمل فائلیں؟ جب بلند معیاری مستند رسالوں اور اچھی اچھی اردو کتابوں کی قدر اردو کے دولت مند اور مرکزی اداروں ہی میں نہیں تو پھر اخباری اور نیم اخباری اداروں میں اردو کی سرپرستی اور کس مپرسی کے گلے شکوے دکھڑے بلندوں کی طرح شکایتیں کرتے رہنے کی بد عادت کے سوا کیا ہے؟

انگریزی کتابوں کا موضوعی تنوع

انگریزی کتابوں کے اکثر ناشر بھانت بھانت کے موضوعوں پر کتابیں چھاپتے ہیں ایک معروف ناشر کی ماہانہ فہرست پیش ہے اس میں ادب اور تاریخ، مذہب اور فلسفے کے سوا صحت عامہ، زندگیات، حیوانیات، سماجی انسانیات، دستکاری، مناہ عامہ، سمندریات (oceanography)، منصوبہ بندی، جاپانی ہتھیار، منطق اور ریاضی پر بھی ایک ایک دو دو نئی کتابوں یا ان کے نئے ایڈیشن کے حوالے درج ہیں۔ اس کے برعکس اب بھی اردو کتابیں زیادہ تر شاعری، مذہب اور مذہبیت میں لت پت تاریخ پر چھپتی رہتی ہیں۔

خوب فروش کتابوں کی بکری

انگریزی میں "خوب فروش کتابیں" BESTSELLERS لاکھوں کی تعداد میں بکتی ہیں۔ ایک ناول کے اسی لاکھ نسخے صرف امریکا میں فروخت ہوئے سنجیدہ کتابوں میں "بہتر گھر اور باغ" نامی کتاب کے تقریباً ساٹھ لاکھ اور ڈیل کارنگی کی کتاب "How to ... win friends" کے ۵۰ لاکھ نسخے فروخت ہو چکے۔

عالمگیر انگریزی ماہنامہ

"ریڈرز ڈائجسٹ" نامی مشہور رسالہ اصل انگریزی کے علاوہ بارہ زبانوں میں شایع ہوتا ہے۔ اصل انگریزی ہی کے چار پانچ ایڈیشن نیویارک، کینیڈا، جاپان، آسٹریلیا اور بمبئی سے شایع ہوتے ہیں۔ یہ رسالہ پرتگالی، ہسپانوی، ڈچ، جرمن وغیرہ کے ساتھ عربی اور جاپانی میں شایع ہوتا ہے۔ جملہ ۱۳ زبانوں میں شایع ہونے والا یہ رسالہ عالمگیر نوعیت کا ہے۔ ہر مہینے اس رسالے کی ۲۳،۰۰۰،۰۰۰ (دو کروڑ ۳۰ لاکھ) کاپیاں فروخت ہوتی ہیں۔

ادب کا ممتاز ترین انعام

ادب کا ممتاز ترین انعام نوبل انعام مانا جاتا ہے۔ یہ انعام اب تک صرف ایک غیر یورپی کو ملا ہے، یعنے رابندر ناتھ ٹیگور کو۔ ممتاز انگریزوں میں یہ انعام برنارڈ شا، برٹرنڈ رسل اور چرچل کو ملا ہے۔ اس انعام کی رقم گھٹتی بڑھتی ہے اور معمولاً لگ بھگ ڈیڑھ لاکھ ہوتی ہے۔

نوبل انعام عطا کرنے والی کمیٹیوں نے بڑی بڑی غلطیاں اور غلط فیصلے کیے ہیں مثال کے طور پر یہ انعام ہائزے نامی جرمن کو دیا گیا تھا جسے آج جرمن ادب میں کوئی وقعت و اہمیت حاصل نہیں۔ جرمنی میں لوگ اس کے نام سے تک واقف نہیں۔ اس کے برعکس یہ سویڈنی انعام نہ تو خود سویڈن کے ممتاز ادیب اور ڈرامہ نویس سٹرنڈبرگ کو اور نہ پڑوسی ریاست ناروے کے ممتاز تر اور اعلیٰ تر ڈرامہ نگار ابسن (IBSEN) کو عطا کیا گیا کسی کم وقعتی ادیب کو یہ انعام عطا کیے جانے اور خود کے اس انعام سے محروم رکھے جانے پر ابسن نے جو طنز بھرا جملہ کہا

تھا وہ تاریخ ادبیات میں ہمیشہ یاد رہے گا۔

یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ انعام عطا کرنے والی کمیٹیوں نے اگرچہ ہمعصروں کی قدر و منزلت متعین کرنے میں کئی بار فاش غلطیاں کی ہیں (مثلاً اقبال ہی کو یہ انعام نہیں دیا گیا حالانکہ وہ اپنے زمانۂ حیات میں بھی مغرب کے اعلا ادبی حلقوں میں مشہور ہوتے جا رہے تھے) لیکن یہ غلطیاں بشریت کا تقاضہ تھیں زیادہ اہم اور کم اہم کا نازک فرق پہچان سکنے کی عدم صلاحیت اور سخن ناشناسی کی وجہ سے ہوئی تھیں، یہاں کی طرح مرعوبیت، عہدہ پرستی، عزیز نوازی، دوست پروری، فرقہ وارانہ نیابت، سیاسی مصلحت، متوقع خود منفعتی وغیرہ کا نتیجہ نہیں تھیں۔

نادر ادب کی قدر و قیمت

مغرب میں مخطوطے، خود لکھی تحریریں (AUTOGRAPHS) چھپی ہوئی کتابوں کے پہلے اڈیشن، خانگی مراسلے اور خطوط، حد و انتہا یہ کہ ڈوڈل جمع کرنے کا بڑا شوق ہے (شغل بے شغلی وقت گزاری یا عالم کوفت زدگی میں اناپ شناپ نقشے، لفظ، شعر، پھول، بیل بوٹے وغیرہ لکھنے یا گھسیٹنے کو ڈوڈلنا اور ان بے مقصدی اور گھسیٹی ہوئی تحریر کو ڈوڈل کہتے ہیں)

۱۹۶۴ء کے ایک ادبی ہراج میں جیکلن کینیڈی (مرحوم صدر امریکہ کی بیوی) کا ایک خط تین ہزار ڈالر (تقریباً ۱۲ ہزار روپیوں میں فروخت ہوا۔ جب ایک زندہ شخص کے صرف ایک خط کی یہ منزلت اور یہ قدر ہوتی ہو تو ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ مغربی شہ پاروں کے پہلے نسخوں اور ان کے مسودوں کی کیا قدر و قیمت ہوتی ہوگی۔

معصوم نظر، بھولا لکھڑا، کھلتے ہوئے لب، بکھرے گیسو
تصویر کا جب یہ عالم ہے، وہ حسن مجسم کیا ہوگا؟

اردو نظم و نسق کی زبان کے طور پر استعمال ہوگی

حیدرآباد ۲۰ مارچ مسٹر ایس۔ این گپتا معتمد منصوبہ بندی نے اردو ہال میں اردو آرٹس کالج کے جلسہ سالانہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اردو زبان کو آندھرا پردیش میں اہم مقام حاصل ہے اور یہ مقام اسے ہمیشہ حاصل رہے گا۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ بانیان اردو کالج نے دور اندیشی سے کام لیکر اردو ذریعہ تعلیم کا ایک کالج قایم کیا ہے مسٹر گپتا نے کہا کہ اس بات کی اہمیت کو آج وہ لوگ شاید محسوس نہ کریں جو مستقبل کے مزاج کو نہیں سمجھتے۔ لیکن ایک دن یقیناً ایسا آئے گا جب کہ نظم و نسق میں اردو کا استعمال ہوگا، ریاست کی جامعات میں تلگو ذریعہ تعلیم ہوگی تو اردو کو بھی علاقائی زبان کی حیثیت سے جامعات میں ذریعہ تعلیم بنانا پڑے گا۔ اس وقت اردو آرٹس کالج کی اہمیت بڑھ جائے گی اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کا تجربہ جامعہ عثمانیہ میں کامیاب رہا تھا اب یہ تجربہ بھی کامیاب ثابت ہوگا۔

مسٹر محمود قادری نے خیر مقدم کیا مسٹر حسینی شاہد پرنسپل نے کالج کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ یہ خیال غلط فہمی پر مبنی ہے کہ اردو میں تعلیم حاصل کرنے والوں کو ملازمت نہیں ملتی آندھرا پردیش میں اردو کو متوازی سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے عدالتوں، اور پبلک سروس کمیشن کے امتحانوں کے لیے اردو کو علاقائی زبان تسلیم کر لیا گیا ہے۔

تعلیم میں اردو کو جائز مقام ملنا چاہیے

حیدرآباد ۲۰ مارچ ڈاکٹر مسعود حسین خاں صدر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ نے کہا کہ مستقبل میں ہماری ریاست میں تلگو کے ساتھ ساتھ اردو کو بھی جامعاتی تعلیم میں اس کا جائز مقام ملنا چاہیے۔

بین کلیاتی اردو سوسائٹی کے سالانہ جلسہ میں جو کل شام سالار جنگ ہال نظام کالج میں منعقد ہوا تھا صدارتی تقریر کرتے ہوئے پروفیسر مسعود نے کہا کہ اردو ایک منتشر لسانی اقلیت کی زبان ہے جس کا کوئی علاقہ نہیں ہے اور جسے کسی ریاستی حکومت کی پشت پناہی حاصل نہیں اور نہ ہی جس کا کوئی نظام تعلیم ہے۔ آندھرا پردیش میں اردو کے موقف کو قانونی حیثیت ملنی چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ تلگو اور اردو الگ الگ لسانی خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود صدہا سال سے ایک ساتھ ہیں اور ان میں کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے انھوں نے کہا کہ اردو اور ہندی میں بنیادی طور پر فرہنگ اور رسم الخط میں فرق ہے۔ اگر ہندی والوں نے مدبرانہ نہیں بنایا اور اپنی چھوٹی بہن اردو سے سادیانہ اور ردوادارانہ سلوک نہیں کیا تو اس سے خود ہندی کو نقصان پہونچے گا۔ اردو ہندوستانی

تہذیب کی ترجمان ہے۔ ہندوستان میں جہاں ابتدائی اور ثانوی تعلیم کا اردو میں بھی انتظام کیا جانا چاہیے وہیں درجامعات بھی ایسی ہونی چاہئیں جن میں اردو ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے ترقی کر سکے۔

پروفیسر علی اکبر نے جو اس تقریب میں مہمان خصوصی تھے اپنی تقریر میں کہا کہ ہندی کو سہل اور آسان بنانا چاہیے۔ ڈاکٹر گوپال ریڈی آل انڈیا ریڈیو کی ہندی کو سہل بنانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن اب پھر یہ زبان مشکل ہوتی جا رہی ہے۔ (رہنمائے دکن)

ہم اپنے حق کو منوانے کے لیے مناسب طریقہ استعمال کریں گے

حیدرآباد ۹ مارچ۔ جناب حبیب الرحمٰن معتمد عمومی انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے آج اپنے صحافتی بیان میں ریاست کے اردو بولنے والوں سے خواہش کی ہے کہ وہ چوکنے ہو جائیں اور حکومت پر یہ واضح کر دیں کہ اگر تلگو کے ساتھ ہی اردو کو بھی سرکاری زبان بنانے سے گریز کیا گیا تو ہم اپنے حق کو منوانے کے لیے تمام ضروری اور مناسب طریقے اختیار کریں گے۔

جناب حبیب الرحمٰن نے کہا کہ چیف منسٹر صاحب نے تلگو کو آندھرا پردیش کی سرکاری زبان بنانے کے متعلق ایک مرتبہ پھر اسمبلی میں اعلان کیا ہے۔ لیکن اس موقع پر بھی انھوں نے اردو کا نام نہیں لیا۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ محض ان کی بھول ہے یا اس مسلسل خاموشی میں کوئی خاص مصلحت پوشیدہ ہے۔ بہر حال اس ریاست کے اردو والوں سے میری استدعا ہے کہ وہ چوکنے ہو جائیں اور حکومت پر واضح کر دیں۔

(رہنمائے دکن)

مولانا آزاد کی یاد میں

۲۸ر فروری انجمن ترقی اردو (ہند) دلی کے اہتمام میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے جلسہ منعقد ہوا۔ صدارت کے فرائض لالہ شام ناتھ صاحب نائب وزیر ریلوے نے انجام دیئے جلسہ کا افتتاح کرتے ہوئے صدر انجمن ترقی اردو دلی پنڈت سندر لال نے فرمایا کہ مولانا کو یاد کرنے کی ضرورت آج ہمیں اور بھی زیادہ ہے کیونکہ ہر جانب زبان کے مسئلے پر انتشار پایا جاتا ہے یہ بڑی افسوسناک بات ہے کہ یو۔ پی اسمبلی میں ڈاکٹر فریدی کو اردو میں تقریر کرنے کی اجازت نہیں دی گئی حالانکہ ان صوبوں میں لکھنؤ کے مقابلے میں جہاں اردو کم ہے اردو میں تقریریں ہو سکتی ہیں آخر میں پنڈت جی نے فرمایا ہم اردو کے سلسلے میں اپنا حق منوا کر رہیں گے لالہ شام ناتھ نے امام الہند کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا مولانا پچاس سال تک ملک کی رہبری کرتے رہے ہندوستان پر

حضرت مولانا کے احسانات بے شمار ہیں مولانا نے جو راستہ ہمیں دکھایا بدقسمتی ہے ہم نے اب وہ راہ چھوڑ دی ہے یوں تو ہم اپنے بڑے لوگوں کی یاد بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں لیکن ان کے طریق کار کو نہیں اپناتے۔ آج کل ہمارا ملک بہت نازک دور سے گزر رہا ہے حال ہی میں جو واقعہ زبان کے سلسلے میں مدراس میں ہوا بہت افسوسناک ہے کچھ تنگ نظر لوگ معاملے کو صحیح طریقے پر نہیں سوچتے یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ اپنی زبان اور کلچر ہر ایک کو بہت عزیز ہے ہندی والوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں پر ہندی کو زبردستی مسلط کرنے کی کوشش نہ کریں۔

ہمیں یہ بھولنا نہیں چاہیے کہ زبان کے مقابلے میں ملک کا اتحاد اہم ہے تقریر کے آخر میں لالہ جی نے فرمایا مجھے ابھی پنڈت سندر لال کی تقریر سے پتہ چلا کہ یو۔ پی کونسل میں ڈاکٹر فریدی کو اردو میں تقریر کرنے کی اجازت نہیں دی گئی یہ افسوسناک بات ہے یو۔ پی کونسل کے اسپیکر کی یہ رولنگ قابل اعتراض ہے ہندی سرکاری زبان ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی اپنی مادری زبان میں اپنے علاقے میں تقریر نہ کر سکے میں انجمن ترقی اردو دلی کی اس سلسلے میں پوری تائید کرتا ہوں ہمارے ملک کا آئین جمہوری ہے اس لیے ہر زبان کو جو آئین میں تسلیم کی گئی ہے اس کا حق ملنا چاہیے۔

مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ امام الہند کو یاد کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم ان کی زندگی کے مختلف گوشوں کو سامنے رکھ کر ان سے سبق حاصل کریں۔ مولانا جیسے اونچے انسان تو ہماری یاد کے محتاج نہیں ہیں لیکن ہم اب بھی ان کی زندگی کو مشعل راہ سمجھیں تو ترقی کی راہیں ہمارے لیے فراخ ہوں گی۔ مولانا کی ذات گرامی رنگا رنگ اقدار کا ایک دلکش مجموعہ تھی ایک جانب تو وہ قدیم علوم کے بہت بڑے عالم تھے دوسری طرف نئی دنیا کی جدید چیزوں سے پوری طرح

واقف تھے۔ وہ عالم بھی تھے اور واعظ و خطیب بھی بہت بڑے سیاست داں بھی تھے، اور مفکر ادیب بھی۔ شعر و ادب اور موسیقی سے بھی ان کو دلی لگاؤ تھا۔ قدرت نے مولانا کو ظاہری جمال کے ساتھ باطنی خوبیاں فیاضی سے عطا فرمائی تھیں۔ ان کی سیرت و صورت دونوں سحر کن تھیں۔ آج ہم مولانا کو اس لیے یاد کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ ہی ملک سے بصیرت چلی گئی، تدبر چلا گیا، جواہر لال زندہ تھے تو مولانا کی زندگی کا ہلکا سا عکس ان میں نظر آتا تھا اب وہ بھی نہیں رہے اسی لیے مولانا کو اور بھی شدت سے ہم یاد کرتے ہیں مفتی صاحب نے آخر میں فرمایا مولانا کی تصنیفات اور ذہن کی گہرائی تک پہنچنا بہت مشکل ہے ان کی خودی کا جو انداز ہے اگر کوئی اس تک پہنچ جائے تو بڑی بات ہے۔

جب ان کی قوم نے انھیں قبول نہیں کیا تو مولانا کا ذہنی توازن نہیں بگڑا ورنہ ایسی حالت میں بڑے بڑوں کا دماغ خراب ہوجاتا ہے مگر مولانا تو ایک کوہ وقار تھے ان پر معمولی انسانوں کی طعن و تشنیع کا کیا اثر ہو سکتا تھا انھوں نے جب ملامت کی تو مولانا خاموش رہے بیگانوں نے جب ان سے ناروا سلوک کیا تو مولانا نے صبر کیا میں نے مولانا کی طرح صابر و شاکر انسان نہیں دیکھا۔ اگر ہم لوگ مولانا کی زندگی سے سبق لیں تو بگڑے ہوئے کام بن جائیں گے۔

ڈاکٹر قمر رئیس نے اپنی تقریر میں مولانا آزاد کی ادبی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا میں نے ایک اردو طالب علم کی حیثیت سے ہی مولانا کا مطالعہ کیا ان کی عظیم شخصیت ایک ایسے ہفت پہلو نگینے کے مانند تھی جو دور سے تو سادہ نظر آتا ہے لیکن قریب سے اس میں سات رنگ نظر آتے ہیں ہندوستان کے پچاس سالہ تاریخ، سیاست و ادب پر مولانا چھائے ہوئے ہیں لیکن پھر بھی زمانے نے ان کے اخلاق، ذہن و دماغ سے اتنا کام نہیں لیا جتنا لیا جا سکتا تھا اس کا اعتراف خود مولانا نے بھی کیا ہے ان کی تصانیف بہت ہیں اگر مولانا نے کسی کی تقلید اپنی تحریروں میں کی ہے تو وہ صرف قرآن حکیم ہے ان کی تحریروں میں وہی شکوہ بیان ہے اور تقدس و شان و شوکت ہے الہلال اور البلاغ میں جو مولانا نے شعلہ نشانی کی اس نے ہی ہندوستان کو حرارت بخشی، اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے قمر رئیس نے کہا مولانا کی تحریروں کے تین رنگ ہیں ایک میں انانیت ہے دوسرے میں انسانیت اور تیسرے میں علمیت۔

آخر میں پروفیسر ملک چند محروم، بسمل سعیدی، گلزار دہلوی، کامل قریشی، اور ہیرا لال فلک نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔

(جنرل سکریٹری)

پنجاب میں بقائے اردو کی جدوجہد

جے پور اردو کانفرنس میں شرکت سے واپسی کے بعد پنجاب کے ڈیلیگیٹوں نے یہاں اردو تحریک کو مزید موثر اور فعال بنانے کے لیے جو پروگرام مرتب کیا تھا اس کے نتائج کا جائزہ لینے اور آئندہ اقدام پر غور و خوض کرنے کے لیے گذشتہ مہینوں میں کئی اہم کارروائیاں عمل میں آچکی ہیں۔ حال ہی میں اس سلسلے کی ایک اہم اور کامیاب میٹنگ نابھہ میں منعقد ہوئی۔ مقامی محبان اردو کے علاوہ مختلف مقامات سے اردو دوستوں نے شرکت فرمائی چار یا پانچ گھنٹے لگاتار اردو سے متعلق مختلف مسائل پر مفید بحث ہوتی رہی۔

سب سے پہلے جناب کمتر نے فارسی میں مختصر سی تقریر کرکے آنے والوں کا استقبال کیا۔ سورج تنویر نے گذشتہ حالات اور آئندہ اقدام پر مختصر الفاظ میں روشنی ڈالی۔ جے پور اردو کانفرنس میں پنجاب سے متعلق پاس ہونے والی "چہار لسانی فارمولہ" قرار داد کی تصدیق و تائید ہوئی۔ نیز ایک علٰحدہ قرار داد کے ذریعہ پنجاب کے حامیان اردو سے متحد و منظم ہو کر اردو کو اس کا جائز مقام دلانے کی اپیل کی گئی۔ نیز پنجاب سرکار سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ چہار لسانی فارمولہ منظور کر کے پنجاب میں اردو کی بقا و فلاح کے لیے گنجائش نکالے۔

بحث میں حضرات کمل جیت ساغر شفائی، نریش ایم۔ اے۔ سہیل اعظمی۔ اور کفایت اللہ کے علاوہ کئی دیگر احباب نے حصہ لیا۔

سورج تنویر نے تجویز پیش کی کہ ہر مقامی شاخ اپنے طور پر زیادہ سے لوگوں کو اردو پڑھانے کے لیے انتظام کرے۔ اور اس کے نتائج کی اطلاع ہر ماہ صوبائی اور مرکزی انجمنوں کو مہیا کرتی رہا کرے۔

جناب کفایت اللہ نے بتایا کہ وہ مالیر کوٹلہ میں کالج کے طلبا کو اردو پڑھانے کے لیے بہت جلد اس تجویز پر عمل کریں گے۔ نیز وہ مالیر کوٹلہ میں ایک اردو لائبریری کے قیام کا پروگرام مرتب کر رہے ہیں۔

پروفیسر آزاد گلاٹی نے بتایا کہ وہ ہر سال دس پندرہ طلبا کو اردو پڑھانے کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

جناب نریش نے انکشاف کیا کہ انھوں نے پنجاب یونیورسٹی کے طلبا کو اردو پڑھانے کا پروگرام بنایا تھا۔ اس پروگرام کے اعلان پر چند روز میں سات سو سے زائد طلبا کی درخواستیں موصول ہوئیں۔ لیکن چند مجبوریوں کے باعث یہ پروگرام عمل میں نہ آسکا تاہم آئندہ اسے زیر عمل لانے کی

کوشش کی جائے گی۔

جناب کوثر نے بتایا کہ برنالہ کی شاخ اردو پڑھانے کا جلد انتظام کر رہی ہے جس کے زیادہ تر اخراجات وہ خود برداشت کیا کریں گے۔ آپ نے یہ حوصلہ افزا اعلان بھی کیا کہ اگر کسی شاخ کو چھپے ہوئے فارم رکنیت یا دیگر ضروری اسٹیشنری کی ضرورت ہو تو وہ طلب کرنے پر اپنی جانب سے مہیا کریں گے۔

شری رام رتن بھارددواج (سہیل اعظمی) نے جو اردو کے مشہور شاعر بھی ہیں یقین دلایا کہ نابھہ والے اردو کے لیے ہر قسم کی امداد و اعانت کرتے رہیں گے اور جو خدمت بھی انجمن کے اردو دوستوں کے سپرد کی جائے گی وہ اس سے گریز نہیں کریں گے۔ میٹنگ کی صدارت اردو کے معروف اور کہنہ مشق شاعر جناب نوبہار صابر نے فرمائی۔ شرکت کے لیے بیرونجات سے آنے والوں کے مندرجہ نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

پٹیالہ: جناب نوبہار صابر، جناب ساغر شفائی، جناب مہیش پٹیالوی، جناب نازاں کوٹلی، جناب راج دیوانہ، جناب جوہر بھارتی۔ برنالہ سے جناب مہر چند کوثر، چنڈی گڑھ سے سورج جناب نریش ایم۔ اے، مالیر کوٹلہ سے ماسٹر کفایت اللہ، جناب واصف عثمانی، جناب نور فاروقی۔ مقامی حضرات میں سے جناب سہیل اعظمی، جناب کنورچوہان، پروفیسر آزاد گلاٹی، جناب کیدار ناتھ کشتر، جناب پی۔ ایس۔ جنیجہ، جناب پرسرام شوق، جناب مادھو رام سرشار، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

شری جنیجہ نے بیرونجات سے آنے والے حضرات کی پرتکلف کھانوں اور چائے سے تواضع کی نیز میٹنگ کے تمام انتظامات اپنے دولت کدہ پر فرما کر اس کے جملہ اخراجات برداشت کیے۔ اس زحمت پر سب کی جانب سے ان کا شکریہ ادا کیا گیا۔

آخر میں محفل مشاعرہ منعقد ہوئی جس میں اردو شعرا کے علاوہ سردشری زدھن۔ مان۔ پریمی اور دیگر پنجابی شعرا نے اپنا کلام سنایا۔

(سورج تنویر، چنڈی گڑھ)

غالب کی یاد

انجمن اردوئے معلیٰ شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ۲۲ مارچ ۱۹۷۵ء کو گذشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی اسٹاف لاؤنج فیکلٹی آف آرٹس میں غالب کی یاد منائی۔ جلسہ کی صدارت پروفیسر آل احمد سرور، صدر شعبۂ اردو نے کی۔ سرور صاحب نے صدارتی تقریر میں غالب کی گرمئی نشاطِ تصور کا ذکر کیا اور اس پہلو سے غالب کے مطالعے کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ سرور صاحب کی تقریر کے بعد ڈاکٹر منیب الرحمن صاحب نے غالب پر اقبال کی نظم اور راہی معصوم رضا صاحب نے غالب پر ایک مختصر مقالہ پڑھا۔ جناب مجتبیٰ علوی نے غالب کی دو غزلیں ترنم سے پڑھیں اور موسیقار بلدیو مرزا نے دو غزلیں گائیں۔ ڈاکٹر منیب الرحمن صاحب نے غالب کے چیدہ چیدہ اشعار اور جناب خواجہ مسعود علی ذوقی صاحب نے غالب کے منتخب خطوط ڈرامائی لب و لہجہ میں پڑھ کر سنائے۔

غالب کی یاد کے سلسلے میں سب سے انوکھی اور دلچسپ وہ تنقیدی آرا تھیں جو غالب کی ایک غزل (عجب تنگ دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی) پر علی گڑھ کے دو صاحب ذوق حضرات نے دی تھیں۔ آرا دینے والوں کے نام پوشیدہ رکھے گئے تھے۔ غالب کی غزل اور اس پر تنقیدی آرا جناب وحید اختر صاحب نے پڑھ کر سنائیں۔

(انوار علیگی سکریٹری)

جشن شفا

گذشتہ دنوں سیفیہ ڈگری کالج ہال بھوپال میں زیر صدارت ڈاکٹر سلیم حامد رضوی جشن شفا کا ادبی اجلاس ہوا جس کا افتتاح ڈاکٹر گیان چند جین نے اپنی پر مغز تقریر سے کیا اور حضرت شفا گوالیاری کی چالیس سالہ ادبی خدمات پر اظہار خیال کرتے ہوئے مرلسانی نا موسے اور زبان سے متعلق موجودہ مسئلے پر بے لاگ تبصرہ کیا۔ جین صاحب کے بعد حضرت کوثر چاند پوری (صدر انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش) حکیم سید قمر الحسن (ایڈیٹر ندیم) جناب ایم عرفان (سکریٹری انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش و ایڈیٹر شعلہ حیات) جناب ممنون حسن خاں، جناب آفاق احمد، محترمہ شفیقہ فرحت اور جناب قدوس صہبائی (جو اعزا سے ملنے بھوپال آئے ہوئے ہیں) نے تقاریر کیں اور شفا صاحب کی شخصیت اور فن پر روشنی ڈالی ساتھ ہی ماہنامہ "شمع ادب" سلطان پور کے ضخیم شفا نمبر (جو حال ہی میں شائع ہوا ہے) کے معیار کی تعریف کی۔ آخر میں صدر محترم نے اپنی مختصر سی صدارتی تقریر میں جلسہ کے انعقاد اور اس کی کامیابی پر مسرت کا اظہار کیا۔

اس کے بعد جناب عشرت قادری نے جشن کمیٹی کی طرف سے صدر محترم، مقررین اور حاضرین جلسہ (جن میں تقریباً دو سو بھوپال کے مشاہیر شعرا و ادبا اور معززین شہر شریک تھے) شکریہ ادا کیا۔ اور صدر محترم کی اجازت سے جلسہ کے اختتام کا اعلان کیا۔ جلسہ کے اختتام پر اعیان جلسہ کی طرف سے حضرات کو ایک پر تکلف اور شاندار پارٹی دی گئی۔

(واحد پریمی ناظم نشر و اشاعت جشن شفا)

شہریار

تبصرہ

نقشِ جاوداں

مجموعہ کلام پرنس نقی علی خاں ثاقب
ناشر نیشنل فائن پرنٹنگ پریس حیدرآباد (آندھرا)
قیمت تین روپے

شاعری کے اس مجموعہ کا نام "نقشِ جاوداں" ہے۔ ہمارے بزرگ شعراء تخلص کے لیے غزل کے مقطعوں کو استعمال میں لاتے تھے اور سننے والے یہ سوچ کر درگزر کر دیتے تھے کہ یہ تو مقطع ہے ثاقب صاحب نے شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے مجموعے کا نام اس مقصد کے لیے استعمال کیا ہے۔ نام کے بعد گرد پوش پر اپنے بارے میں رقمطراز ہیں کہ

"گذشتہ دس سال سے شعر و ادب کے لمبے راستے پر گامزن ہوں۔

غموں کی آنچ مسرتوں کے پھول اور مشاہدات و محسوسات کے بیشمار اڑتے ہوئے لمحات ہی میرا فن ہیں۔ فکر امروز کے دھندلکوں سے صبح فردا کی جگمگاہٹوں تک میرے ذہنی سفر کے فاصلے پھیلے ہوئے ہیں میں نے کوشش کی ہے کہ وقت اور ماحول کے چہرے کی تحریریں پڑھوں اور پھر لفظوں میں سجا کر پیش کروں بس، اس سے بیش کی داد نہیں دی جا سکتی گویا کہ وہ اپنے فن اور شاعری کے بارے میں کچھ اور بھی کہہ سکتے تھے لیکن انھوں نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خورشید احمد جامی صاحب اور اختر حسن صاحب سے دو عدد دیباچے یا مقدمے لکھوا لیے ہیں جن میں ثاقب صاحب کی شاعری کو ان الفاظ میں سراہا گیا ہے۔

"جواں سال شاعر ثاقب کا یہ پہلا شعری مجموعہ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جدید ذہن شاعری کے راستے پر اسے بھی ایک چمکتا ہوا سنگ میل قرار دیا جا سکتا ہے۔ ثاقب نئی نسل کے ان لکھنے والوں میں ہیں جنھوں نے روایات کے خواب آفریں دھندلکوں سے نکل کر نئے حوصلوں اور نئی امنگوں کے ساتھ عصری تقاضوں کا استقبال کیا ہے ...... وغیرہ ... خورشید احمد جامی۔ "نقش جاوداں" کا شاعر پہلی بار منظر عام پر آ رہا ہے لیکن کچھ اس سلیقے کے ساتھ، کچھ ایسی سج دھج کے ساتھ کہ مجھے یقین ہے کہ ادبی حلقوں میں، اردو شاعری کے نبض شناسوں کی بارگاہوں میں اس نوجوان شاعر کا دھوم دھام سے خیر مقدم کیا جائے گا" دیکھو خورشید حسن جامی صاحب اور اختر صاحب نے اپنے ان مقدمات میں مقدموں کی روایت کو بڑی خوش اسلوبی اور سلیقے سے نبھایا ہے اور مقدمہ نگار کر بھی کیا سکتا ہے۔

اب ثاقب صاحب کے کلام کے کچھ نمونے ملاحظہ کیجئے مجموعہ کی ابتدا میں جو قطعہ یا دو شعر درج ہیں اس کا پہلا مصرعہ یہ ہے ؎

زندگی کی عجیب راہوں سے

شاید ثاقب صاحب یہ کہنا چاہتے تھے کہ زندگی کی طویل راہوں سے لیکن چونکہ یہ مصرع ایک شاعر ان سے پہلے کہہ چکا ہے اس لیے انھوں نے "طویل" کی جگہ "عجیب" استعمال کر کے قطعے کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ اس قسم کے کچھ اور مصرعے ملاحظہ کیجئے

ثاقب صاحب کا ایک مصرعہ ہے ؎

کوئی پیام حبیب آیا تو آنکھ بھر آئی

اتفاق سے فراق صاحب اس زمین میں یہ مصرعہ کہہ چکے ہیں ؎

پہونچ کے منزل جاناں پہ آنکھ بھر آئی۔

ثاقب صاحب کا ایک اور مصرعہ ہے ؎

چلو کہ صبح تمنا کی رہگذر آئی

فراق صاحب کا ایک مصرعہ یوں ہے

صبا قریب کہ ان کی رہگذر آئی

ایک اور غزل میں ثاقب صاحب نے ایک مصرعہ یوں ادا کیا ہے ؎

پھر بھی ہم ہر ایک کو تنہا نظر آتے رہے

فراق صاحب کا ایک مصرعہ کچھ اسی لہجے میں ہے کہ ؎

اس بھری دنیا میں ہم تنہا نظر آنے لگے

ان چند شعروں سے اختر صاحب کی اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ "ثاقب نے ادب عالیہ کا بھی مطالعہ کیا ہے" اور میرے خیال میں انھوں نے ادب عالیہ سے جی بھر کے استفادہ بھی کیا ہے۔ خاص طور سے غزلوں میں۔

البتہ قطعات اور نظموں میں یہ بات اتنی نمایاں نہیں ہے اور کہیں کہیں اس بات کا احساس بھی ہوتا ہے کہ ثاقب صاحب میں خاصی شاعرانہ صلاحیت موجود ہے "وطن کے نام پر" "تہوار" "اپنے بچے سے" "[illegible]" گوارا نظمیں ہیں۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر نصیر الدین حیشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور نذیر حسین پبلشر نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا